جناب احمد ندیم قاسمی

اسلامی تہذیب اور پاکستان

اسلامی تہذیب کا موضوع اتنا محدود نہیں کہ اسے ایک مختصر تحریر میں سمیٹا جاسکے۔ ضخیم مقالات پڑھنے والوں کو عموماً شدید آزمائش میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ پھر مجھ جیسے کم علم لوگوں کے لیے مختصر بات کہنے ہی میں عافیت ہے کہ اس طرح کچھ بھرم رہ جاتا ہے۔ چنانچہ میں اسلامی تہذیب کے عناصر اور پاکستان میں ان کی کارفرمائی کے بارے میں جو کچھ عرض کرنے چلا ہوں، وہ مفہوم و مافیہ کے لحاظ سے تو ممکن ہے بعض اصحاب کو پریشان کر دے، مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کا زیادہ وقت لے کر آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔

اسلامی تہذیب کا محور اسلام کے بنیادی عقاید ہیں۔ ان عقاید میں توحید کا عقیدہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد دوسرے عقاید دائرے بناتے ہوئے گھومتے ہیں۔ دائرے کا لفظ میں نے قصداً استعمال کیا ہے کہ مرکزی نقطے سے دائرے کے خط کا فاصلہ، ہر مقام سے برابر ہوتا ہے۔ خدا کی وحدانیت کا عقیدہ ہمیں غیر اللہ کے خوف سے محفوظ کر دیتا ہے چنانچہ ہماری سیدھی، سادی، سچی، کھری، اجری، پختہ اور بے نیاز شخصیت کی صورت پذیری بھی اس توحید کے عقیدے سے ہوتی ہے اور یہی عناصر افراد اور قوموں اور ملتوں کی تہذیبی شخصیت مرتب کرتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی کا عقیدہ اس شخصیت کو مزید قوت اور صلابت بخشتا ہے۔ ان عقاید میں کوئی پیچیدگی نہیں، کوئی دھندلاہٹ نہیں، کوئی "پراسراریت" نہیں، ان کی توانائی ان کی سادگی میں ہے۔

اسلام صرف عربوں یا صرف عجمیوں یا صرف مشرق کا دین نہیں۔ ایک حدیث ہے کہ پوری دنیا ایک مسجد ہے۔ اس سے اسلام کی عالمگیری اور ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسلام کی یہ صفت بھی اسلام کی ایک بنیادی تہذیبی قدر ہے۔

توحید و رسالت کے علاوہ مساوات و اخوت اسلامی تہذیب کی ایک اور قدر ہے۔ اسلام

میں نہ رنگ و نسل کا کوئی امتیاز ہے اور نہ ذات پات کی کوئی تفریق۔ اگر کوئی امتیاز ہے تو اس ارشادِ گرامی کے حوالے سے ہے کہ " ان اکرمکم عند اللہ اتقکم "۔ اللہ کے نزدیک مستحق عزت وہ ہے جو متقی ہے اور خدا ترس ہے۔ آغازِ اسلام میں مساوات و اخوت کی اس تہذیبی قدر کی متعدد مثالیں ہم تک پہنچی ہیں۔ ایک منور مثال وہ ہے جس میں اخوت و مساوات نے ہجرت نبوی کے بعد مدینہ میں مہاجرین و انصار کے حیرت انگیز بھائی چارے میں اظہار پایا اور یوں عقیدے نے عمل کی صورت اختیار کی۔ اور عقیدے صرف یقین کرنے یا تبلیغ کرنے کی چیز نہیں ہوتے، عمل کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

اسلام کی انصاف پروری اور عدل گستری اس کی ایک اور تہذیبی قوت ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ انصاف معاشرتی بھی ہے اور یہ عدل معیشتی بھی ہے۔ اسلام نے انصاف کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اس نے دین تک میں جبر و اکراہ کی شدید ممانعت کی ہے۔ اسلام کا یہ معیارِ انصاف کسی دنیوی شان و حشمت سے متاثر یا مرعوب نہیں ہوا۔

اخلاقِ حسنہ اسلام کی ایک اور توانائی ہے جس نے ایک عالمگیر جذبۂ اخوت کی صورت میں اسلامی تہذیب کی نوک پلک سنواری ہے۔ اس اخلاق میں حسن و خیر کی دیگر بے شمار خوب صورتیوں کے علاوہ معاف کرنے ۔۔ درگزر کر دینے کی اخلاقی خوب صورتی نے آغازِ اسلام میں ایک دُنیا کو موہ لیا تھا۔

اختصار کی خاطر اسلامی عقاید و اخلاقیات کے صرف ان چند نکات پر اکتفا کرتے ہوئے، میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اگرچہ بعد میں اسلامی تہذیب کی صورت پذیری میں ملوکیت اور ملائیت حائل ہو گئیں اور اُنھوں نے اس تہذیب کی جزئیات و تفاصیل منفی طور پہ بدل کر رکھ دیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دورِ مبارک میں اسلامی تہذیب کی جو بنیادیں رکھی گئی تھیں انھیں کوئی بڑے سے بڑا جابر بھی نقصان نہ پہنچا سکا۔ دراصل تہذیب کوئی ٹھوس چیز نہیں ہوتی، نہ اس کے مظاہر براہِ راست دکھائی دیتے ہیں، بلکہ تہذیب کسی قوم کے عادات و خصائل اور اس کے تمدن میں منعکس ہوتی ہے۔ تہذیب ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے۔ یہ ظاہر سے نہیں باطن سے متاثر کرتی ہے۔ اسلامی تہذیب کی اس باطنی، اس روحانی قوت کا اعتراف کرتے ہوئے پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے The Preaching of Islam میں کہا ہے۔ اور یہ ترجمہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کا ہے۔

" یہ امر قابلِ غور ہے کہ اسلام نے اپنے سیاسی زوال و انحطاط کے زمانے میں

بعض نہایت شاندار روحانی فتوحات حاصل کی ہیں۔ مثلاً اسلام کی تاریخ میں دو موقعے ایسے آئے ہیں جب کہ وحشی کفار نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ پامال کیا۔ مثلاً سلجوقی ترکوں نے گیارھویں صدی عیسوی اور تاتاریوں نے تیرھویں صدی عیسوی میں۔ مگر ان دونوں موقعوں پر فاتحین نے اُس قوم کا مذہب اختیار کر لیا جس کو اُنھوں نے مغلوب کیا تھا۔"

علاّمہ اقبال نے دوسرے بے شمار مقامات کے علاوہ اپنی ایک نظم "مدنیتِ اسلام" میں اسلامی تہذیب کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ اُنھوں نے مسلمان کی زندگی کو ـــ یعنی اس کے تہذیبی اور تمدنی انعکاس کو "نہایتِ اندیشہ اور کمالِ جنوں" قرار دینے کے بعد فرمایا ہے کہ نہ وہ حیا سے بیزار ہے، نہ عہدِ کہن کے فسانہ و افسوں سے متاثر ہے۔ اس کی اساس حقائقِ ابدی پر ہے اور اس کے عناصر میں روح القدس کا ذوقِ جمال اور عجم کا حسنِ طبیعت اور عرب کا سوزِ دروں شامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں مدنیتِ اسلام کے اس پاکیزہ تصور میں سے حسن و جمال کے الفاظ کو غیر اخلاقی قرار دے کر اُنھیں اور اُن کے مفاہیم کو ایک طرح سے خارج کر دیا گیا مگر اسلامی تہذیب کے حقیقی خدوخال یہی ہیں۔

قرآن حکیم میں عقل و استدلال اور تجربہ و مشاہدہ سے بصیرت حاصل کرنے کے احکام کے حوالے سے اسلام کو بجا طور پر روشن خیالی کا مذہب قرار دیا گیا ہے جو انسان کی روحانیت اور مادیت دونوں کے تقاضے بیک وقت پورے کرتا ہے۔ اس لیے اسلامی تہذیب کے مورخین نے بھی اعتراف کیا ہے کہ جب عقیدہ یقین سے گزر کر عمل کی صورت اختیار کرتا ہے تو وہ تہذیبی قدر بن جاتا ہے۔ یہی تہذیبی اقدار کرۂ ارض کے جس حصے میں بھی جاتی ہیں، ان میں وہاں کی نسلی اور علاقائی روایات یوں تحلیل ہو جاتی ہیں کہ اس تہذیب کا ایک ناگزیر حصہ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک یہ جو اسلامی تہذیب کے مختلف مظاہر نظر آتے ہیں، وہ اس اصولِ قدرت کی کارفرمائی ہیں، چنانچہ اسلامی تہذیب کے حوالے سے اُنھیں مختلف مظاہر کی بجائے متنوع مظاہر کہنا چاہیے۔

اتنی بڑی ـــ اتنی عالمگیر تہذیب اُس وقت انتشار و خلفشار کی نذر ہونے لگی جب مسلمانوں نے عقل و دانش سے دست کشی اختیار کر لی اور اس لیے بعد میں جب مغرب، ہم سے سیکھے ہوئے

علوم کے سبھی امکانات پر چھا گیا تو ہم نے علوم کی ان نئی ہیئتوں سے نہ صرف اجتناب کیا بلکہ ان سے نفرت کی۔ ہم جدید علوم اور اپنی تہذیبی روایات کے درمیان رابطے کا کوئی امکان تلاش نہ کر سکے اور ایک خلا میں معلق ہو گئے۔ ہمارے آس پاس تمدن بدلنے لگا۔ مگر ہم اپنی تہذیب اور اس کے بدلتے ہوئے تمدن کے ملاپ یا رابطے کی کوئی راہ تلاش نہ کر سکے۔ ہمارے دینی عقاید تو آسان اور سادے اور عقل و فطرت کے مطابق تھے، مگر آخر کیا وجہ تھی کہ ہم نے اپنی تہذیب کو اس نئے تمدن کا رہنما نہ بنایا۔ جو غلطی ہم نے صدی ڈیڑھ صدی پہلے کی تھی اس پر آج بھی بضد معلوم ہوتے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد ہمیں ایک ایسا خطۂ ارض میسر آ گیا تھا جس میں ہم اسلامی تہذیب اور جدید علوم کی وجہ سے صورت پذیر ہوتے ہوئے تمدن کے ارتباط و اختلاط کی ایک جنت تعمیر کر سکتے تھے مگر خدا کی وحدانیت کے پرستار ہونے کے باوجود ہم غیر اللہ کے خوف سے بے نیاز نہ رہ سکے۔ اس لیے ہماری شخصیت مستحکم اور مستغنی نہ ہو سکی۔ اپنی طرف سے کچھ عرض کرنے کی بجائے مجھے پاکستان میں اسلامی تہذیب کی صورت حال کے بارے میں آپ سے اور خود اپنے آپ سے بھی چند سوال پوچھنے کی اجازت دیجیے۔

کیا ہم نے اپنے دین کو کھرا اور سادہ اور غیر پیچیدہ رہنے دیا ہے؟

کہیں ہم نے اسے دھندلا اور پُر اسرار تو نہیں بنا دیا؟

کہیں ہم نے اصلی اور نسلی مسلمانوں کی تفریق تو پیدا نہیں کر دی؟

کیا ہم اپنے ایمان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسلام کی معاشرتی اور معاشی مساوات و اخوت کے اصولوں پر عمل پیرا ہیں؟

کیا ہم ذات پات اور برادری قبیلے کے امتیازات سے بلند ہو سکے ہیں؟

کیا ہم منصف اور عادل ہیں؟

کیا ہم دین میں جبر و اکراہ کی ممانعت کا احترام کرتے ہیں؟

کیا ہم معاف کر سکتے ہیں؟

کیا ہم میں درگزر کر دینے کا حوصلہ ہے؟

کیا ہم برائی کے بدلے نیکی کا برتاؤ کر سکتے ہیں؟

کیا ہم نے ان الارض للّٰہ کے ارشاد کا عملاً احترام کیا ہے ؟

کیا ہم نے "قل العفو" کا کوئی عملی پیمانہ وضع کیا ہے ؟

اگر ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ اور یقیناً نفی ہی میں ہے۔ تو کیا ہمارے تہذیبی نصب العین اور ہمارے عمل کے درمیان پہاڑ حائل نہیں ہو چکے ہیں ؟

ہم نے پورے عالم اسلام کی طرح پاکستان میں بھی اسلامی تہذیب کے باطنی نظام اقدار کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، مگر اب بھی کچھ زیادہ نہیں بگڑا۔ اگر آج بھی ہم اپنے افکار و خیالات کو تخلیق و اجتہاد سے روشناس کرا دیں اور اس جرأت مندانہ اجتہاد کے ذریعے اسلامی تہذیب کو ایک جیتی جاگتی، سانس لیتی اور دھڑکتی ہوئی تہذیب بنا دیں جس کے باطن میں بڑی فراخی ہو اور جس کے ظاہر میں جلال و جمال برابر برابر تناسب سے جلوہ گر ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ پوری دُنیا پاکستان کو اسلامی تہذیب کی تجسیم نہ کہنے لگے۔ اگر ہم سکڑتے اور سمٹتے ہوئے کرۂ ارض میں کارفرما تازہ دم اور تازہ کار عناصر کو محتسبانہ غصّے میں آ کر ایک دم منسوخ و ممنوع قرار دینے کے بجائے اُنھیں اپنے دینی اصولوں کی کسوٹی پر پرکھ کر اپنانے کا عمل جاری کر دیں تو ہم اسلامی تہذیب کا صحیح معنوں میں احیا بھی کر سکیں گے اور ان غیر ملکی اثرات سے بھی محفوظ ہو جائیں گے جنھوں نے ہمیں نقالی اور بے عملی اور بے ہنری کے سوا اب تک کچھ بھی نہیں دیا۔ ہمارے پاس اسلام اور قرآن اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اسوۂ حسنہ کی صورت میں اتنی بڑی دولت ہے کہ آج کے نہایت نامساعد اور تاریک حالات میں بھی ہمارے اندر خود اعتمادی کی مشعلیں روشن ہو سکتی ہیں۔

برصغیر کی مذہبی، علمی اور ثقافتی تاریخ پر ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کی

مشہور تصانیف

آب کوثر —— ۴۵ روپے

رود کوثر —— ۷۵ ״

موج کوثر —— ۶۰ ״

کا نیا ایڈیشن آفسٹ پیپر

اور نہایت خوب صورت

گرد پوش کے ساتھ شائع ہو

گئے ہیں۔ ——

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

کتاب و سنت